اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہوتا ہے

ہجرت کرنے والے اپنی نیتوں کے مطابق اجر دیئے جائیں گے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱ راگست ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بہت گہرے معارف اور حکمتوں پر مشتمل ہے کہ **انما الاعمال بالنیات** (بخاری کتاب الوحی حدیث نمبر:۱) کہ اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ یہ قانون جو روحانی اور طبعی قانون ہے، اس کا اطلاق انسانی قوانین پر ممکن نہیں کیونکہ یہ حکمت اور بہت گہری حکمت جو اس چھوٹے سے کلمے میں بیان فرمائی گئی ہے اس کا معاملات پر اطلاق تبھی ممکن ہے جب معاملے کا فیصلہ کرنے والا عالم الغیب ہو یا ایسا طبعی قانون ہو جو ہمیشہ انصاف کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ پس اس پہلو سے دنیا کے قوانین میں اس حکمت کا کوئی بھی دخل نہیں۔ چنانچہ تمام دنیا میں انسان کے بنائے ہوئے جتنے بھی قوانین ہیں ان کی رو سے اگر کوئی شخص کوئی جرم کر کے یہ ثابت کرنا چاہے کہ میری نیت نہیں تھی تو اس کے عذر کی پذیرائی نہیں ہوگی، اس کی یہ بات سنی نہیں جائے گی کیونکہ دنیا ظاہر پر فتویٰ دیتی ہے اور ظاہر ہی کا فیصلہ کرتی ہے اور نیتوں کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے، سوائے اس کے کہ اس نیت کا کوئی ایسا اظہار لوگوں کے سامنے کیا گیا ہو جن کی گواہی قطعی ہو اور جج شک میں پڑ جائے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ شخص واقعی نیک نیت کے ساتھ کام کرنے والا ہو۔ ایسی صورت میں بعض دفعہ اس کو شک کا فائدہ دے دیا جاتا ہے مگر ایسے معاملات بہت استثنائی ہیں۔ روحانی قانون میں اور

طبعی قانون میں آنحضرت ﷺ کا بتایا ہوا یہ بنیادی اصول یکساں کارگر ہے۔اس کے بہت سے پہلو ہیں جو عام طور پر معلوم ہیں وہ تو یہ ہیں کہ اس ارشاد کا تعلق اجر سے ہے اور عموماً لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی مراد اتنی ہی تھی کہ جو شخص جس نیت سے کوئی عمل کرے گا اس کے مطابق اس کو اجر ملے گا اور وہ عمل خواہ بظاہر نیک ہوا گر نیت بد ہے تو خدا کے ہاں وہ اپنے بدعمل کی جزا پائے گا اور عمل بظاہر دنیا کو برا دکھائی دیتا ہو لیکن اگر نیت نیک ہو تو اس کی خدا کے ہاں اچھی جزا عطا ہوگی۔اس کی بہت سی مثالیں ہیں یعنی دوسرے حصے کی مگر قرآن کریم نے بعض مثالیں اس واقعہ میں پیش فرمائی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش آیا۔ان کو ایک ایسے بزرگ ساتھی کے ساتھ سفر کا موقعہ ملا جنہوں نے ظاہری طور پر بار بار ایسی حرکات کیں جو دنیا کی نظر میں معیوب اور ناپسندیدہ تھیں اور اس ارتکاب کی حالت میں اگر وہ پکڑے جاتے تو دنیا کا قانون ان کو سزا دیتا۔مثلاً راہ چلتے کسی کی کشتی کو اس طرح توڑ دینا کہ وہ سمندری یا دریائی سفر کے قابل نہ رہے اور ناکارہ ہو جائے یہ وہ ایک فعل ہے جو دنیا کے لحاظ سے قابل مواخذہ ہے یا کسی بچے کو قتل کر دینا یہ اور بھی زیادہ قابل مواخذہ بات ہے اور ان دونوں معاملات میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بات کھولی گئی تو معلوم ہوا کہ نہ صرف نیتیں نیک تھیں بلکہ عملاً خدا کے اذن پر ایسا ہو رہا تھا اور وہ ایک عارف باللہ بزرگ تھے جو اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کرتے تھے بلکہ خدا کے اذن کے مطابق وہ معاملات طے کیا کرتے تھے۔اس معاملے کو جب حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے بعض فیصلوں پر اطلاق کر کے دیکھیں تو ان کی حکمت سمجھ آجاتی ہے۔دنیا کی نظر میں آج بھی آپؐ کے بعض ایسے ارشادات قابل مواخذہ ہیں کہ جن کی رو سے آپؐ نے بعض شریروں کے قتل کا حکم دیا۔درحقیقت وہ بزرگ جو کشفاً حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھائے گئے تھے وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہی تھے اور جو تجربے بیان کئے گئے ہیں ان کی گہری حکمتیں آنحضرت ﷺ کی سیرت اور آپؐ کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

بہر حال عام طور پر اس ارشاد نبوی کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ مراد صرف اتنی ہے کہ جزاء عمل پر نہیں بلکہ اس نیت پر مترتب ہوگی جو عمل سے پہلے ہے۔ظاہری طور پر خواہ بدی کی گئی ہو خدا جانتا ہے کہ وہ فعل کرنے والے کی نیت کیا تھی اس لئے قیامت کے دن یا دنیا میں ہی جو قانون قدرت ہے

اس کی رو سے وہ شخص سزا نہیں پائے گا بلکہ جزا پائے گا اور اسی طرح نیکیوں کا معاملہ ہے۔ اگر وہ نیک عمل کر رہا ہو لیکن نیت بری ہو تو ایسے نیک اعمال کی بری جزا ملے گی۔ یہ جزاء کا معاملہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے خدا تعالیٰ کے ایسے فیصلے سے تعلق رکھتا ہے جو بالعموم یوم جزاء سزا میں ظاہر ہوگا اور اس کا ایک تعلق قانون طبعی سے ہے اور قانون طبعی بھی خدا کے مزاج کے مطابق ہے اس لئے اگر آپ گہرا غور کر کے دیکھیں تو قانون طبعی بھی دراصل ایسے ہی نتائج ظاہر کرتا ہے جن کا اعمال سے بڑھ کر نیتوں سے تعلق ہو۔ مثلاً دنیا میں امن کے نام پر دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں نے بہت بڑی بڑی کوششیں سرانجام دی ہیں اور بڑے بڑے فیصلے کئے ہیں بعض اوقات جنگیں بھی کی گئی ہیں لیکن مقصد یہ بتایا گیا کہ امن کا قیام پیش نظر تھا اس لئے بعض صورتوں میں جنگ ضروری ہوگئی تھی۔ اگر تو واقعۃً نیت امن کا قیام ہو اور انصاف کے ساتھ تمام ایسے معاملات میں جہاں امن کو خطرہ درپیش ہو ویسا ہی ردعمل ظاہر ہوتا ہے جو نیک نیت کے نتیجے میں ظاہر ہونا چاہئے تو یقیناً ان کوششوں کے نتیجے میں دنیا میں ایک دیرپا امن قائم ہوسکتا ہے مگر بار بار کی ایسی کوششوں کے باوجود جو گزشتہ تقریباً ایک صدی پر پھیلی پڑی ہیں دنیا آج تک امن سے محروم چلی آرہی ہے اور خطرات ہیں کہ دنیا کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔ ایک خطرے کو ٹالا جاتا ہے تو دوسرا خطرہ سامنے آکھڑا ہوتا ہے اور دنیا کو وہ امن نصیب نہیں ہوا جس کے نتیجہ میں دل و جان کو چین ملتا ہے بلکہ ظاہری امن کے باوجود دنیا بے چین دکھائی دیتی ہے اور بے قراری ہے کہ بڑھتی چلی جارہی ہے۔

پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ قانون کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے یہ درپردہ کام کرتا چلا جارہا ہے خواہ ان لوگوں کو محسوس ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ نیتوں میں چونکہ فساد ہوتا ہے اور خودغرضیاں ہوتی ہیں اس لئے امن کے نام پر کئے جانے والے سب فیصلوں میں رخنے پڑ جاتے ہیں۔ پس اعمال کا دارومدار نیّات پر ہونے کا ایک مطلب یہ بنتا ہے کہ اگر نیتوں میں فساد ہو تو اعمال اس فساد سے بچ نہیں سکتے اور جلد یا بدیر ان اعمال پر ان بدنیتوں کا اثر ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ان اعمال میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے کہ جس کے نتیجے میں وہ صالح اعمال نہیں کہلا سکتے اور ان کے نتیجہ میں نیک نتائج نہیں نکل سکتے۔

اسی طرح بدی کی بات ہے جو دنیا کو بدی نظر آتی ہو لیکن نیت نیک ہو اس کی بھی بہت سی

مثالیں ہیں اور ان میں بھی بالعموم آخر نیک نیت ہی کامیاب ہوتی ہے اور بدی کا نتیجہ بدنہیں نکلتا۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ ۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ کیوں بعض دفعہ استثناء ہوتے ہیں۔اس وقت میں اس میں نہیں جانا چاہتا لیکن میں آپ کے سامنے مثال رکھتا ہوں ایک دفعہ کرنل محمد حیات قیصرانی صاحب جو بہت ہی مخلص اور فدائی احمدی تھے اور بہت قابل سپاہی اور بہت بہادر اور بے خوف سپاہی تھے انہوں نے مجھے یہ بتایا کہ آزاد کشمیر میں ان کو آزاد کشمیر کی فوج کے ساتھ بہت لمبا عرصہ کام کرنے کا موقعہ ملا ہے اور اس کے علاوہ پاکستان کی دوسرے علاقوں کی فوجوں کے ساتھ بھی وہ وابستہ رہے ہیں ویسے تو وہ بلوچ رجمنٹ کے تھے، لیکن کہتے ہیں کہ میں نے کسی علاقے کا سپاہی اتنا اچھا نہیں دیکھا جتنا آزاد کشمیر کا سپاہی ہے۔اس میں بہادری بھی ہے۔اس میں قربانی کا جذبہ بھی ہے اور عقل سے بھی کام لیتا ہے۔اس کی ایک مثال انہوں نے یہ دی کہ ایک دفعہ باقاعدہ جنگ تھی یا ہندوستانی کشمیر کے ساتھ چپقلش چل رہی تھی تو کرنل صاحب کی چونکہ عادت تھی کہ وہ ہمیشہ خطرے کے مقام پر آگے بڑھ کر سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا کرتے تھے اس لئے اس عادت کے مطابق وہ ایک مہم کے دوران آگے بڑھ کر ایک ایسے مقام پر پہنچے کہ جہاں وہ دشمن کی گولی کا نشانہ بنائے جاسکتے تھے۔ان کے قریب ہی پیچھے ان کا جونئیر افیسر جو آزاد کشمیر سے تعلق رکھتا تھا وہ بھی آرہا تھا اس کی نظر پڑی کہ سامنے کے مورچے سے ایک ہندوستانی سپاہی نے بندوق کا نشانہ کرنل صاحب کو بنایا ہے۔پیشتر اس کے کہ وہ ٹریگر دبا دیتا اور وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا، اس نے اچانک بہت زور کے ساتھ دھپڑ مار کے کرنل صاحب کو گرادیا اور اس دوران وہ خود اس خطرے کے مقام پر آگے آگیا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل فرمایا کہ وہ خود بھی مجروح نہیں ہوا اور اس پر گولی کا نشانہ ٹھیک بیٹھ نہیں سکا لیکن گولی چلائی ضرور گئی۔اب یہ ایک مثال ہے۔اگر فوج میں کوئی سپاہی کسی افسر کو تھپڑ مارے اور پھر اس طرح ذلت کے ساتھ گرا بھی دے تو یہ ایک بہت بڑا جرم ہے بعض دفعہ اس کے نتیجے میں اس کو بہت سنگین سزا مل سکتی ہے لیکن وہاں نیت یہ تھی کہ افسر کو بچایا جائے اور اس نیک نیت کی وجہ سے وہ جو بدی تھی اس کو بھی نیکی کا ایک رنگ مل گیا اور ہمیشہ کرنل صاحب یہ واقعہ اس کی تعریف میں بیان کیا کرتے تھے۔ایک ظاہری بدی ہے لیکن نیت نے اس کو حسن عطا کر دیا۔

اس لئے قانون طبعی بھی جاری وساری ہے اور یہاں خدا کی طرف سے جزا دینے کا معاملہ

نہیں تھا لیکن ایک طبعی نتیجے کے طور پر وہ بدی نیکی پر منتج ہوگئی اور پھر اس کی جزا اس کو اس طرح ملی کہ اس کا ذکر خیر جاری ہوا۔ تو اعمال کا انحصار یقیناً نیتوں پر ہوا کرتا ہے لیکن بعض صورتوں میں نیتوں کا انحصار بھی اعمال پر ہوا کرتا ہے اور یہ مضمون آگے جا کر زیادہ گہرا اور الجھا ہوا دکھائی دینے لگتا ہے۔

اس کی طرف میں رفتہ رفتہ آپ کو متوجہ کروں گا لیکن اس وقت میں خصوصیت سے یہ بات آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کو پاکستان میں جو حالات درپیش ہیں ان کے نتیجے میں بہت سے احمدیوں نے وہاں سے ہجرت کی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ان سب کے پیش نظر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ نصیحت تھی یا نہیں تھی۔ جہاں تک حالات کی مجبوری کا تعلق ہے اس کا سب پر یکساں اطلاق ہو رہا ہے اور بندے کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی کے متعلق یہ فیصلہ کرے کہ اس کی پاکستان سے چلنے سے پہلے خدا کی خاطر ہجرت پیش نظر نہیں تھی بلکہ دنیا کی خاطر ہجرت پیش نظر تھی۔ اس لئے دنیا کے لحاظ سے تو وہ سارے مہاجر الی اللہ ہی کہلائیں گے اور اگر ان کی نیتیں خاص طور پر خدا کی خاطر ایسی جگہ جانے کی نہیں تھیں جہاں انہیں اعلائے کلمۃ اللہ کی آزادی ہو۔ جہاں وہ آزادی کے ساتھ اذانیں دے سکیں خدا کا ذکر خیر کر سکیں۔ تبلیغ کر سکیں تو بھی اس حد تک ان کی نیتوں میں ایک صفائی موجود ہے کہ وہ خدا کی خاطر ستائے ضرور گئے تھے اور ان میں یہ طاقت نہیں تھی کہ ان آزمائشوں کا مقابلہ کر سکتے، اس لئے وہ جگہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ ایسی ہجرت کو بھی ''ہجرت للہ'' کہا جا سکتا ہے، گو ہجرت الی اللہ نہیں ہوگی۔

وہ ہجرت جو''لله'' بھی اور''الی الله'' بھی ہو وہ ہجرت درحقیقت حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپؐ کے غلاموں کی ہجرت تھی۔ اس سے پہلے ایک ایسی ہجرت جو''لله'' کہلا سکتی ہے گو''الی الله'' کا محاورہ غالباً اس پر صادق نہیں آتا یعنی ہجرت حبشہ۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقعہ پر یہ بھی فرمایا کہ۔ **من کانت هجرته الی الله و رسوله** (بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر: ۵۲) کہ جس شخص کی ہجرت خدا اور رسول کی طرف ہو وہ خدا اور رسول کو پا لیتے ہیں تو جس وقت ہجرت حبشہ ہوئی ہے اسی وقت تو آنحضرت ﷺ مصائب میں گھرے ہوئے اپنے اور بہت سے مخلصین کے ساتھ مکے میں موجود تھے۔ دو دفعہ ہجرت حبشہ ہوئی اور اس کے بعد پھر ایک لمبا عرصہ تک آنحضرت ﷺ مکے ہی میں مقیم رہے تو وہ ہجرت''الی الله و رسوله''ان معنوں میں نہیں کہلا سکتی کیونکہ رسولؐ تو خود بغیر ہجرت

کے وہاں بیٹھا ہوا تھا مگر یقیناً وہ ’’لـلـه‘‘ تھی یعنی اس میں خدا کے تعلق کا ایک دخل تھا۔ خدا کی خاطر تکلیفیں اٹھانے والے جب ایک ایسے حال کو پہنچے کہ بات ان کی حد برداشت سے بڑھ گئی تو انہوں نے ہجرت کی جو یقیناً اللہ کی خاطر تھی مگر اللہ اور اللہ کے رسول مکے میں اس سے زیادہ موجود تھے اپنے تعلق کے لحاظ سے جتنا اس وقت وہ حبشہ میں کہیں موجود ہوں گے۔ یعنی خدا کی ذات تو ہر جگہ ہے لیکن اپنے تعلق اور اظہار کی رو سے وہ بعض جگہ زیادہ عیاں ہوتی ہے اور بعض جگہ کم عیاں ہوتی ہے تو سب سے زیادہ خدا کا جلوہ تو مکے میں روشن تھا جہاں آنحضرت ﷺ تھے۔

تو اسی سے استنباط کرتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ بعض ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی ہجرت میں یہ نیت داخل نہیں ہوگی کہ ایسی سرزمینوں کی طرف جائیں جہاں خدا کا نام لینے کی آزادی ہو، جہاں خدا کا نام دوسروں تک پہنچانے کی آزادی ہو اور اس سے ہم خدا کا قرب حاصل کریں مگر چونکہ خدا کی خاطر ستائے گئے ہیں اس لئے لـلـه کہنا جائز ہے لیکن کچھ اور بھی لوگ ہو سکتے ہیں اور بعض نتائج مجھے بتا رہے ہیں کہ ایسے لوگ ہیں جن کی نیت دراصل دنیا کی خاطر ہجرت ہے اور جب یہ بات ہجرت کی نیت میں داخل ہو جائے تو ہجرت ثواب سے بھی محروم ہو جاتی ہے اور نیک اثرات سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔

ہجرت کے متعلق قرآن کریم میں کچھ وعدے دیئے گئے ہیں کہ جو خدا کی خاطر خدا کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ سلوک فرمائے گا۔ ان وعدوں کا تعلق ان ہی ہجرتوں سے ہے جو’’لـلـه‘‘ ہو اور’’الـى الـلـه‘‘ ہوں، دوسری ہجرتوں سے ان وعدوں کا کوئی تعلق نہیں۔ پس ایسے لوگ ان باتوں سے محروم رہ جاتے ہیں اور عملاً ہمارے ملک میں بدقسمتی سے نیتوں میں اس حد تک فتور داخل ہو چکا ہے کہ نیتوں کا فتور ہماری زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہو گیا ہے اور بچپن سے ہی لوگوں کے مزاج میں نیتوں کا فتور پایا جاتا ہے اس لئے باوجود اس کے کہ ہم خدا تعالیٰ سے توقع رکھتے ہیں کہ احمدی اس پہلو سے خدا کے نزدیک سرخرو ٹھہریں گے مگر عملاً یہ بات معلوم کرنا بہت مشکل ہے اور بسا اوقات ہجرت کرنیوالوں کو بھی معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض ہجرت کرنے والے ایسے ہو سکتے ہیں جن کی نیت خالصةً دنیا کمانا ہو اور دنیا کے آرام حاصل کرنا ہو۔ ایسے ہجرت کرنے والے بھی ہو سکتے ہیں جنہوں نے ان دونوں باتوں کو ملا دیا ہے اور ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نرمی کے سلوک

کے اس وعدے کا اطلاق ہوسکتا ہے جس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو نیک اعمال کو بداعمال کے ساتھ ملا دیتے ہیں ان کا معاملہ خدا پر ہے۔ چاہے تو ان سے بخشش کا سلوک فرمائے چاہے تو ان کو پکڑے تو ایسے لوگ جو ہیں ان کے لئے بھی یہی دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بخشش کا ہی سلوک فرمائے اوران کی نیتوں میں جو نیکی کا عنصر شامل تھا اسے غالب کرتا چلا جائے اور بدی کے عنصر کو مٹاتا چلا جائے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے باہر جانے والے دوستوں سے مغربی تہذیب کی آزادی کے ذکر سنے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ سنا ہوتا ہے کہ وہاں اس قسم کی سہولتیں مہیا ہیں کہ انسان قانون کی نظر میں مجرم بنے بغیر کئی قسم کے جرائم کا ارتکاب کرسکتا ہے۔عیاشی کے ایسے سامان موجود ہیں جن سے متعلق دنیا تعارض نہیں کرتی اور جب چاہے انسان، جس طرح بھی چاہے عیاشی کی زندگی بسر کرے۔ان کی نیتوں میں اگر یہ بات داخل ہو تو خواہ وہ ’’لله‘‘ ہجرت کرنے والے دکھائی دیتے ہوں ایک اور قانون ضرور عمل کرے گا اور وہ قانون یہ ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کی ہجرت پھر اس طرف ہوگی جس طرف اس کی نیت تھی یعنی ہجرت کے باوجود وہ خدا کو پانے کی بجائے بدقماش لڑکیوں کو پالے گا ہجرت کے باوجود وہ خدا کو پانے کی بجائے شراب اور جوئے اور اس قسم کی بداعمالیوں کو پالے گا اور اس کا دنیا میں جو انجام ہوگا وہ ظاہر کرے گا کہ اس کی نیت کیا تھی۔

پس جہاں تک مہاجرین کا تعلق ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں شخص کی نیت یہ تھی اور فلاں کی یہ تھی مگر عمومی نصیحت کے ذریعے ان کو متوجہ کرنا ضروری ہے کہ اگر پہلے تمہاری نیتوں میں فتور تھا بھی تو اسے خوب کھنگال کر معلوم کرو اور اپنی نیتوں کو اب بھی صاف کرلو کیونکہ جب تک عمل نیتوں سے رنگین نہیں ہوجاتے اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔عمل جب نیتوں سے رنگین ہوجاتے ہیں تو پھر معاملہ حد اختیار سے باہر نکل جاتا ہے اس لئے ان کے یہاں کے اعمال یہ فیصلہ کرنے والے ہیں کہ وہ کس نیت سے چلے تھے۔ بہت سے ایسے مہاجرین میں نے دیکھے ہیں جو وہاں جماعتی نقطۂ نگاہ سے اچھے اعمال کرنے والے لوگ نہیں تھے۔ نہ وہ چندے دیتے تھے، نہ وہ نمازوں کی طرف متوجہ تھے، نہ جماعتی خدمت میں حصہ لیا کرتے تھے لیکن یہاں آنے کے بعد دن بدن ان کے حالات سنورنے

شروع ہو گئے۔ نمازوں کے عادی بن گئے جماعت کے تعلق میں آگے بڑھ گئے اور چندوں اور قربانیوں میں ماشاء اللہ غیر معمولی نمونے دکھانے لگے۔ ایسے لوگوں کے حال پر جب میں نظر ڈالتا ہوں تو مجھے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد آجاتا ہے کہ جس کی ہجرت اللہ کی خاطر اللہ کی طرف ہوگی وہ ضرور خدا ہی کو پائے گا اور اس کی یہ کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔

چنانچہ جو عظیم انقلاب برپا ہوا ہے وہ انقلاب جو پاکستان سے آنے والوں میں کثرت کے ساتھ برپا ہوا ہے جس کے نمونے ظاہر و باہر ہیں، یہ درحقیقت حضرت رسول اکرم ﷺ کی اس خوشخبری کے نتیجے میں ہی ہے اور ہم اس کے نیک اثرات دیکھ رہے ہیں لیکن یہ جو معاملہ ہے کہ انسان نیتوں کی وجہ سے اپنے اعمال پر غالب آجائے۔ یہ ایک دو دن کا معاملہ نہیں ہے یہ ایک لمبا اور محنت طلب سفر ہے۔ نیت اگر اچھی ہو اور انسان کے اعمال میں بدی کا غلبہ ہو تو نیت کو اعمال پر غالب آنے کے لئے ایک لمبا وقت درکار رہا کرتا ہے۔ اس کے لئے لمبی توجہ کے ساتھ محنت کرنی پڑتی ہے کیونکہ بداعمالیاں اتنی آسانی سے انسان کا پیچھا نہیں چھوڑا کرتیں۔

بعض اس قسم کے ایسے اعمال ہیں جن کی مثال آنحضرت ﷺ کو اس طرح دکھائی گئی کہ جہنم میں ایک شخص آگ کے تنور میں پڑتا ہے پھر وہ باہر نکلتا ہے اور پھر نجات پانے کی بجائے دوبارہ تنور میں داخل ہو جاتا ہے پھر وہ باہر نکلتا ہے پھر دوبارہ داخل ہو جاتا ہے اور اس نظارے کا یہ مفہوم آنحضرت ﷺ کو بتلایا گیا کہ بعض شہوانی غلبے ایسے ہیں جو انسان کو اسی حالت میں مبتلا رکھتے ہیں۔

ے رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جامہء احرام کے (دیوان غالب صفحہ:۲۸۱)

ہر رات یہی ہوتی ہے اور ہر صبح یہی ہوتا ہے کہ بعض لوگ نیت کرتے ہیں بدیوں سے نکلنے کی اور یہ ان کی مثال ہے ورنہ وہ لوگ جو بدیوں سے نکلنے کی نیت ہی نہیں کرتے وہ تو ہمیشہ تنور میں رہتے ہیں۔ یہ نظارہ ان لوگوں کا دکھایا گیا ہے جو بدیوں سے نکلنے کی نیت کرتے ہیں جب ان کی خواہشات اطمینان پا جاتی ہیں اور جب خواہشات جوش مارتی ہیں تو دوبارہ پھر اس تنور میں جا پڑتے ہیں اس نظارے میں انسانی نفسیات کا ایک بہت گہرا پہلو بھی دکھلایا گیا ہے اور وہ یہ پہلو ہے کہ اگر کوئی شخص نیک نیتی سے اپنے اعمال میں تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہو تو جب اس کو بدی کے نتیجے میں تسکین

حاصل ہو چکی ہو اس وقت نیت نہ کرے بلکہ جب بدی غلبہ مار رہی ہو اور جوش دکھا رہی ہو اس وقت نیت کرے اور اس وقت اس پر غالب آنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو دوبارہ اس تنور میں نہیں پڑے گا۔ بار بار تنور سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ بدی کو تسکین مل گئی اور بار بار داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر آ گیا تو کچھ دیر کے بعد پھر جوش پیدا ہوا اور پھر انسان اسی گناہ میں مبتلا ہو گیا۔

تو یہ گناہوں میں سے ایک گناہ کی مثال ہے ایسے ہزار ہا گناہ ہیں جن میں انسان اسی طرح مبتلا ہوتا ہے اور اسی طرح ان گناہوں کے ساتھ اس کی کشمکش رہتی ہے لیکن کشمکش بھی ان ہی لوگوں کی رہتی ہے جن کا نفس لوامہ زندہ ہو۔ جن کا دل انہیں بار بار کوئی ملامت کو لے کے جائے اور بار بار شرمندگی کا احساس ہو ان کے لئے بھی گناہوں پر غالب آنا کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ یہ نظارہ ہمیں بتاتا ہے کہ بہت سے بدنصیب ایسے ہیں جو بالآخر ایسی حالت میں مرتے ہیں وہ تنور کے اندر تھے تنور کے باہر نہیں تھے کیونکہ جو تنور کے باہر مرنے والے ہیں ان کا یہ نظارہ نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا۔ جو بد حالت پر مرتا ہے اس کو سزا ملتی ہے جو نیک حالت پر مرتا ہے اس کا نیک انجام ہوتا ہے۔

اس لئے صرف ایک مثال سے آپ سمجھ جائیں گے کہ اگر نیتوں کو یہاں آنے کے بعد بھی درست کر لیا جائے تو پھر کتنی بڑی جدوجہد کا آغاز ہونے والا ہے اور بہت لمبا وقت چاہئے اور پھر درمیان میں ایک مشکل یہ ہے کہ نیتوں کا پتا بھی نہیں چلتا کیونکہ ایک نیت کا اگر علم حاصل بھی ہو اور انسان سمجھ لے کہ میں اس معاملے میں ہمیشہ بدنیت رہا کرتا تھا اور میں نے اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا رکھا تھا، اس کے باوجود بہت سے دوسرے ایسے گناہ، بہت سے دوسرے ایسے عوارض ہیں جن کی تشخیص کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے اور ہر انسان کے لئے بڑا مشکل معاملہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی اس طرح تشخیص کر سکے کہ وہ جان لے کہ میری نیت بد تھی اس لئے بدنتائج نکلے ہیں۔ قرآن کریم نے حضرت آدمؑ کی بریت دیکھیں کس خوبصورت انداز میں یہ بیان فرمائی۔ جہاں فرمایا کہ: وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طٰہٰ:۱۱۶) کہ آدم تو خود بار بار توبہ کر رہا تھا اور استغفار کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ میں گنہگار ہوں لیکن خدا جو نیتوں کی کنہ سے واقف ہے وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم نے اس میں بدی کا عزم نہیں پایا تھا اس لئے تم غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ خدا نے ایک ایسے شخص کو نبی کے طور پر چن لیا

جس کی نیتوں میں فتور داخل تھا اس کی نیت صحیح تھی اس کے باوجود اس سے غلطی ہوئی۔

پس چونکہ انما الاعمال بالنیات کا قانون ہر چیز پر حاوی اور غالب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس غلطی کے بداثرات سے بچالیا۔ پس نیتوں کا معاملہ بہت ہی باریک ہے اور آخری طور پر اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کسی کی نیت کیا ہے۔ اس لئے نیت کی پہلی اصلاح تو یہ ہونی چاہئے اور وہ پہلا اور سب سے اہم قدم ہے کہ انسان غور کرے کہ میں کیوں مہاجر بن کے اپنے وطن سے نکلا تھا اور اگر نیت میں اس بات کا غلبہ نہ ہو کہ میں اللہ کی طرف جا رہا ہوں اور خدا کے ساتھ تعلق کے لئے مجھے وہاں زیادہ سازگار ماحول میسر آئے گا اور خدمت دین کی آزادی میسر ہوگی تو پھر ایسا شخص خطرات کے مقام پر کھڑا ہے یعنی ضروری نہیں کہ وہ خطروں میں مبتلا ہو بلکہ بعض دفعہ ہجرت سے پہلے کی خدا کی راہ میں اٹھائی ہوئی تکلیفیں اس کو سنبھال لیتی ہیں اور ان تکلیفوں کی جزا اس کی نیتوں کی اصلاح کا موجب بن جاتی ہے۔ اس لئے عملاً بالارادہ وہ نیت کی اصلاح نہ بھی کرے تب بھی خدا تعالیٰ ان تکلیفوں کی جزاء اسے دیتا ہے جو اس نے خدا کی خاطر اپنے وطن میں برداشت کی تھیں اور اس کے نتیجے میں نیتوں کی اصلاح بھی شروع ہو جاتی ہے اور ساتھ ساتھ اعمال کی اصلاح بھی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر نیت میں اگر بدی کا عنصر غالب ہو تو پھر یہ بہت خطرے کا مقام ہے۔ ایسے لوگ پھر وہاں اگر اپنی بداعمالیوں کو چھپائے ہوئے تھے تو اس ماحول میں آکر وہ زیادہ ننگے اور زیادہ دلیر ہوتے چلے جاتے ہیں اور بالآخر ان کا بدانجام ہوتا ہے جس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

تو وہ مہاجرین جو اب تک تشریف لائے ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، عمومی طور پر میرا تأثر یہی ہے اور مجھے اطمینان ہے کہ اللہ کے فضل کے ساتھ ان کی نیتیں خالص تھیں یا ان کی نیتوں میں نیکی کا عنصر غالب تھا یا ہجرت للہ ضرور تھی۔ تکلیفیں اٹھا کر ان سے گھبرا کر نکلے تھے یا انہوں نے خدا کی خاطر کچھ ایسے دکھ اٹھائے تھے جو ظاہری طور پر دنیا کو نہ بھی معلوم ہوں لیکن دل ان کے ہمیشہ خدا کی خاطر دکھوں میں مبتلا رہے، ان کی جزا کے طور پر خدا نے ان کی نیتوں کی اصلاح فرما دی مگر جو بھی ہوا اکثر صورتوں میں خدا کے فضل سے وہ لوگ جو ہجرت کر کے باہر نکلے ہیں وہ اصلاح پذیر ہیں لیکن نظام جماعت کو ان پر نظر رکھنی چاہئے اور مسلسل کوشش کرنی چاہئے کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اصلاح کا معاملہ ایک بہت ہی مشکل معاملہ ہے۔ ہزار بار بھی آپ کو سمجھاؤں تو آپ پوری طرح سمجھ

نہیں سکیں گے کہ کتنا مشکل ہے اس لئے دعاؤں کے ذریعہ بھی ان کی مدد کریں اور اپنی مدد بھی کریں اور جہاں تک نظام جماعت کا تعلق ہے کوشش کر کے ایسے لوگوں پر نظر رکھے جو رفتہ رفتہ بدی کی طرف بڑھ رہے ہوں کیونکہ وہی سب سے بڑے خطرے میں مبتلا ہیں اور گھیر کر ان کو ہر طرح سے ذرائع اصلاح کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کو واپس لانے کی کوشش کریں اور جو نیکیاں کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ ان کو احساس پیدا ہو کہ ہم خدا کے فضل سے پہلے اچھے ہوتے چلے جارہے ہیں۔

اس طرح انشاء اللہ رفتہ رفتہ جماعت احمدیہ کے وہ عناصر بھی جو بہت سی بدیوں میں مبتلا تھے اور وہی بدیاں لے کر باہر آ گئے وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہجرت کی برکت سے خدا کے فضل سے اصلاح پذیر ہوتے چلے جائیں گے اور ایک نئی جماعت پیدا ہونی شروع ہو جائے گی اور دنیا کے لحاظ سے بھی اور خدا کے وعدے ان کے حق میں پورے ہوں گے اور بہت سی وسعتیں ان کو عطا ہوں گی لیکن جو بدارادوں سے آئے ہیں اور دن بدن بدیوں میں مبتلا ہو رہے ہیں، ان کے لئے نہ دین رہے گا نہ دنیا رہے گی اور دونوں طرف سے وہ نامراد دکھائے جائیں گے اس لئے میں ان کو متنبہ کرتا ہوں کہ اگر کچھ غلط قدم اٹھائے گئے ہیں تو توبہ کریں اور اپنی ہجرت کو خدا کی خاطر بنانے کی کوشش کریں اس کی پناہ میں آئیں اور پھر دین بھی ان کو عطا ہوگا اور دنیا بھی عطا ہوگی۔

جہاں تک اعمال کا نیتوں پر دارومدار ہے وہ تو میں نے بیان کیا۔ اس کا ایک دوسرا حصہ ہے نیتوں کا اعمال پر بھی دارومدار ہوا کرتا ہے اور دراصل یہ ایک Wishes chain ہے Wishes circle ہے۔ یعنی ایسی بدیوں کا ایک دائرہ ہے جو مزید بدیاں پیدا کرتی چلی جاتی ہیں اور پھر ان کے بچے بڑے ہو کر پہلی بدیوں کو مزید تقویت دیتے ہیں اس طرح بدیاں بڑھنے کا ایک مسلسل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جتنے بھی ممالک مثلاً مشرقی دنیا کے ممالک ہیں ان کے اندر بعض برائیاں ہیں جو اسی طرح بدنیتیوں کو جنم دیتی ہیں اور مغربی دنیا میں بھی بعض برائیاں ہیں جو بعض بدنیتیوں کو جنم دیتی ہیں۔ مثلاً یہاں فحشاء عام ہوگئی ہے اور اس کی حیا اٹھ گئی ہے اس کے نتیجہ میں ٹیلیویژن وغیرہ کے ذریعے یا اخبارات اور تصاویر کے ذریعے جو چھوٹی نسلیں ان باتوں کو دیکھتی ہیں باوجود اس کے کہ بلوغت کو نہیں پہنچی ہوتیں ان کی نیتوں میں یہ بات داخل ہو جاتی ہے کہ جب ہمیں توفیق ملے گی ہم اسی قسم کی بدیاں کریں گے اور جب نیتیں بد ہو جائیں تو پھر دوسرے قومی اصلاحی ذرائع ناکام ہو جایا کرتے ہیں۔

مشرقی دنیا میں رشوت ستانی عام ہے اور اپنی طاقت کا ناجائز استعمال اور طاقت سے ناجائز استفادہ ایک عام بیماری ہے۔ چنانچہ وہاں اگر آپ غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بھاری تعداد میں طالب علم اس نیت کے ساتھ بعض Professions کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس Professions میں جا کر انہوں نے اس طرح دنیا کی کمائی اور اس طرح وہ بڑے بڑے محلات بنانے میں کامیاب ہو گئے اور ایک اعلیٰ قسم کی زندگی بسر کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اگر فوج کا کردار گندا ہو مثلاً، اور فوجی افسر بننے کا مطلب یہ ہو کہ بڑے بڑے پلاٹ ملیں گے، دنیا کی رعایتیں ملیں گی اور انسان اپنی من مانی کارروائی کر سکے گا اور قانون کی دست برد سے بالا رہے گا اگر یہ منظر کوئی قوم پیش کر رہی ہو یا کسی قوم کی فوج پیش کر رہی ہو تو فوج میں جانے والے جو بچے ہیں ان کی نیتوں میں شروع میں ہی یہ فتور داخل ہو جاتا ہے۔

وہ اس نیت سے فوج میں نہیں جاتے کہ ہم اپنی جانیں پیش کریں گے اور ملک کے دفاع کی خاطر یہ یہ قربانیاں کریں گے اور اس طرح اپنی قوم کی عزت بچانے کے لئے اپنی عزتیں مٹا دیں گے بلکہ شروع سے ہی نیت یہ ہوتی ہے کہ جب ہم بڑے ہوں گے اور فوجی افسر بنیں گے تو اسی طرح ہی ہم قوم کے اموال پر قابض ہو جائیں، قوم کی عزتوں پر قابض ہو جائیں گے، قوم کے وقار پر قابض ہو جائیں گے جس طرح وہ لوگ جو ہمیں دکھائی دے رہے ہیں انہوں نے قوم کے ساتھ سلوک کیا تو وہ بداعمالیاں جو قوم پر غالب آ جائیں وہ قوم کے حال پر ہی غالب نہیں آیا کرتیں بلکہ قوم کے مستقبل پر بھی غالب آ جاتی ہیں اور بد بچے دیتی ہیں۔

پس وہ نیتیں جو بداعمال پیدا کرتی ہیں بعد میں بداعمال کے نتیجے بھی بدنیتوں کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کے نتیجے میں پھر نئے بداعمال پیدا ہوتے ہیں۔ تو بدیوں کے فروغ کا ایک بہت ہی خطرناک سلسلہ چل پڑتا ہے جس کو روکنا پھر انسان کی طاقت میں نہیں رہتا اور یہ عجیب بات ہے کہ دنیا میں تیزی کے ساتھ فروغ پانے والی چیزیں بدیاں ہیں۔ نیکی بھی فروغ پاتی ہے لیکن آہستگی کے ساتھ اور پاؤں جما کر۔ بدی بہت تیزی کے ساتھ فروغ پکڑتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں کہ دنیا میں زندگی کی مختلف قسم میں سب سے زیادہ تیزی سے بڑھنے والی چیز بکٹیریا ہیں۔ وہ جراثیم جو زندہ چیزوں کی صحت پر حملہ کرتے ہیں اور دنیا کے ہر جانور، ہر سبزی اور ہر نوع کی مخلوقات سے ان کا تعلق

’’پیراسائٹ‘‘ کا تعلق ہوتا ہے یعنی ان کے جسموں پر وہ غالب آتے ہیں۔ان کے جسم کے سہارے زندہ رہتے ہیں اور اتنی تیزی سے وہ نشوونما پاتے ہیں کہ ان کی نشوونما کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔آناً فاناً ایک جرثومہ جسم میں داخل ہو کر بعض دفعہ چند گھنٹوں میں، بعض دفعہ چند دنوں میں ارب ہا ارب کی تعداد کو پہنچ جاتا ہے تو۔ بدیاں بھی بالعموم اسی طرح تیزی کے ساتھ پھیلنے والی چیزیں ہیں اور نیکیوں کے لئے صبر چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی آہستگی سے بڑھتی ہے اور پاؤں جما کر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔

پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کی جدوجہد بہت ہی اہم بھی ہے اور بہت مشکل بھی ہے۔ اتنے کٹھن مراحل ہیں کہ ان کے اوپر آپ غور کریں تو ہوش اڑ جاتے ہیں کہ ہم میں طاقت کہاں ہے کہ ہم ان ذمہ داریوں کو ادا کر سکیں مگر خدا نے ہم پر جو ذمہ داری ڈالی ہے خواہ ادا نہ کر سکیں یعنی اپنے مقصد کو حاصل نہ کر سکیں اگر اس راہ میں مارے جائیں تو یہی نجات ہے، یہ ناکامی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک توبہ کرنے والے کا نقشہ اس رنگ میں کھینچا جس کی تفصیل سے میں پہلے بھی آپ کو آگاہ کر چکا ہوں مگر اب صرف وہ حصہ بیان کرتا ہوں جس کا اس مضمون سے تعلق ہے۔

ایک سالہا سال کا، عمر بھر کا گنہگار جب توبہ کرنے کی خاطر صلحاء کے ایک شہر کی طرف جا رہا تھا تو رستے میں اس کی موت آگئی لیکن مرنے سے پہلے وہ کہنیوں اور گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا جہاں تک اس کی طاقت تھی اس سمت میں بڑھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اس کی موت سفر کے اختتام سے پہلے آلے گی۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح گھسٹنے کے باوجود وہ شہر جو ابھی بہت دور تھا، جو تقریباً نصف فاصلے پر تھا اس تک نہیں پہنچ سکے گا لیکن نیت میں صفائی تھی اور نیت میں مضبوطی تھی۔ اس کا دل بے قرار تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو بدیوں کے شہر کو چھوڑ کر ’’الی اللہ‘‘ ہجرت کر سکوں۔ چنانچہ وہ اس تمثیلی نظارے میں رسول اکرم ﷺ کو یوں دکھلایا گیا کہ وہ گھسٹتا ہوا آخر دم تک کوشش کرتا رہا کہ وہ نیکوں کے شہر کی طرف بڑھ جائے۔ بہت ہی پیاری تمثیل ہے جس کی تفاصیل میں پہلے بیان کر چکا ہوں لیکن یہ نکتہ آپ دیکھیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو بتلایا گیا کہ خدا کے فرشتے جو بدی اور نیکی کے فرشتے تھے، انہوں نے اس کا معاملہ خدا کے حضور پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں طرف کے فاصلے ناپو۔ اگر بد شہر جس سے وہ ہجرت کر کے نیک شہر کی طرف جا رہا تھا اس مقام سے قریب تر ہو۔ جہاں اس نے جان دی ہے تو پھر اس کو بدوں میں شمار کر لو اور اگر وہ شہر جو نیکیوں کا شہر تھا جو اس کی ہجرت کا

مقصود تھا وہ اس جگہ سے قریب تر ہو جہاں اس نے جان دی ہے تو اس کو نیکوں میں شمار کر لو۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ ہمیں بتاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک عجیب واقعہ ہے جس کو سن کر روح پگھلتی ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو مقرر کیا اور وہ جگہ ناپ رہے تھے تو جو بدوں کی طرف کی زمین تھی وہ لمبی ہوتی چلی جارہی تھی اور اگر وہ ایک گز ناپتے تھے تو دراصل وہ ایک گز زمین نہیں ناپ رہے ہوتے تھے بلکہ تھوڑی زمین کو لمبا ناپ رہے تھے۔ یعنی دس انچ زمین اگر وہ ناپ رہے ہیں تو وہ زمین کھچ گئی ہے اس لئے ایک گز دس انچ میں پورا آ گیا اور اگر چہ وہ فاصلہ تھوڑا تھا لیکن جب پیمائش ختم ہوئی تو وہ گزوں کے لحاظ سے بہت بڑا فاصلہ دکھائی دینے لگا اور دوسری طرف کے فرشتوں کے ساتھ خدا تعالیٰ نے یہ سلوک فرمایا کہ وہ زمین سکڑنے لگی اور زمین تو زیادہ لمبی تھی مگر گز جب ناپتے تھے تو وہ تھوڑا دکھاتے تھے یعنی زمین اگر دس گز کی ہے اور وہ سکڑ کر ایک گز رہ گئی ہو تو دس گز ناپنے کی بجائے وہ گز اس کو ایک گز دکھا رہے تھے تو دونوں طرف سے خدا کی رحمت نے یہ سلوک فرمایا کہ ایک طرف اس کی بدیوں کے فاصلے زیادہ دکھائی دینے لگے۔ دوسری طرف اس کی نیکیوں کی طرف کے فاصلے کم دکھائی دیئے جانے لگے اور آخر خدا نے کہا کہ دیکھو یہ تو نیکی کے شہر کی طرف آگے بڑھ گیا تھا۔ اس لئے اس سے بخشش کا سلوک ہوگا۔ تو نیتوں کی اصلاح اگر کر لی جائے تو صرف **نیتیں کافی نہیں ہیں۔ وہ خدا جو نیتوں کو قبول کرنے والا ہے وہ بہت مہربان ہے اور اس کی رحمت اور بخشش کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔** اس لئے بظاہر نیت کی بات ہو رہی ہے مگر حقیقت میں نیت قبول کرنے والے کی بات ہو رہی ہے۔

اگر نیت میں صفائی ہوگی اور پاکیزگی ہوگی تو باوجود اس کے کہ محض نیت اس قابل نہیں ہوگی کہ بدیوں پر غالب آسکے اور بسا اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ زندگی کا بقیہ سفر اتنا تھوڑا رہ گیا ہو کہ بدیوں والا اس کا سفر اس پر غالب آچکا ہو۔ زندگی کا اکثر حصہ ان سے بدیوں میں صرف کر دیا ہو تو نیتوں کی نیکی کے نتیجے میں اگر نیک اعمال رونما بھی ہو رہے ہوں اور وہ تعداد میں تھوڑے ہوں اور اپنی کمیّت کے لحاظ سے بھی تھوڑے ہوں اور اپنی قوت کے لحاظ سے بھی تھوڑے ہوں تو پھر وہ قانون غالب آئے گا کہ اگر نیکی زیادہ ہے تو جزاء ملے گی اور بدی زیادہ ہے تو سزا ملے گی۔ تو یہاں خدا کا فضل انسان کے آڑے آتا ہے۔ خدا کا فضل ہے جو نیتوں کے ایسے پھل لگاتا ہے جو نیتوں کے حق سے بہت زیادہ ہو

جاتے ہیں پس نیتوں کو درست کرلیں اور یہ فیصلہ کریں کہ یہاں چلے آنے کے بعد آپ کی پہلی نیتوں سے آپ کا رابطہ کٹ جائے گا اور اب آپ اپنی ہجرت کو الی اللہ بنانے کی کوشش کریں گے۔

یہ مضمون صرف ظاہری طور پر ہجرت کرنے والوں پر صادق نہیں آتا بلکہ بہت وسیع مضمون ہے اور ہجرت الی اللہ کا مضمون جسم کی ہجرت سے اس طرح وابستہ نہیں کہ ضروری جسم کی ہجرت کے ساتھ اس کا تعلق ہو۔ بہت سے جسمانی ہجرت کرنے والوں سے اس کا تعلق ضرور ہے لیکن ان لوگوں سے بھی تعلق ہے جو جسمانی لحاظ سے ایک انچ بھی حرکت نہ کر رہے ہوں لیکن ان کا دل اللہ کی طرف مائل ہو چکا ہو اور ان کی ہجرت الی اللہ کا سفر وہیں سے شروع ہو چکا ہوتا ہے۔ پس ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ ساری جماعت کو اللہ تعالیٰ ہجرت الی اللہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ورنہ یہ دنیا اپنی بدیوں سمیت اتنی طاقتور ہے اور دنیا کی بدیاں دنیا پر اتنی غالب آتی چلی جارہی ہیں کہ دنیا کو تبدیل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ ہاں اپنے آپ کو تبدیل کرنے سے ہمیں یہ سفر شروع کرنا ہوگا اور باوجودیکہ اپنے آپ کو تبدیل کرنا بھی ہمارے بس کی بات نہیں اگر ہم اپنی نیتوں کو درست کرلیں گے تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی یہ بشارت ضرور ہمارے حق میں پوری ہوگی کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوا کرتا ہے۔